الاخوان المسلمون

تاریخ — دعوت — خدمات

خلیل حامدی

—— (۳) ——

چوتھا مرحلہ ۱۹۴۹ء —— ۱۹۵۴ء

آزمائش میں کمی اور نئے مُرشد کا انتخاب حالات نے پھر پلٹا کھایا۔ سات ماہ بعد ۲۵ جولائی ۱۹۴۹ء کو ابراہیم عبدالہادی پاشا گدی سے اترنے پر مجبور کر دیا گیا۔ حسین سری پاشا نے مخلوط وزارت بنائی جس کا کام انتخابات کی نگرانی تھی۔ اخوان کو قدرے اطمینان کا سانس نصیب ہوا۔ انتخابات میں وفد پارٹی غالب اکثریت سے کامیاب ہوئی۔ اس کامیابی میں اخوان کی تائید کو بھی دخل تھا۔ ۱۲ فروری ۱۹۵۰ء کو نحاس پاشا نے زمام حکومت ہاتھ میں لی۔ اخوان کو جزوی طور پر آزادی نصیب ہوئی۔ جن کے بارے میں سمجھ لیا گیا تھا کہ اب ان کی داستان تک باقی نہ رہے گی وہ دامن جھاڑ کر پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے قلم حرکت میں آگئے اور ان کے اخبارات از سر نو جلوہ بار ہو گئے۔ حسن بن اسماعیل الھُضیبی ان کے نئے مرشد عام منتخب ہوئے۔ اس سے پہلے وہ سپریم کورٹ میں لیگل ایڈوائزر تھے۔ الاخوان المسلمون اپنے نئے مُرشد کی قیادت میں اپنے مختلف شعبوں کی جدید تنظیم اور استحکام میں لگ گئی۔ ۱۵ دسمبر ۱۹۵۰ء کو حکومت نے اخوان کی بعض املاک کو بحال کر دیا۔ یہ فیصلہ کونسل آف اسٹیٹ کے ایک حکم کی بنا پر ہوا جس میں کونسل آف اسٹیٹ نے کہا: "الاخوان المسلمون کو خلاف قانون قرار دینے کا فیصلہ سراسر غلط تھا۔ یہ فیصلہ مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کے اختیارات میں نہ تھا۔ اخوان نے پلک جھپکتے اپنے حالات کو درست کر لیا۔ اور پھر تاریخ کے اسٹیج پر آبیٹھے اور قابلِ لحاظ قوت بن گئے۔

محلاتی سازشوں کا آغاز اکتوبر ۱۹۵۱ء تک مصطفیٰ نحاس پاشا کی حکومت رہی۔ پھر نحاس پاشا کی برطرفی کے بعد قصر عابدین اور انگریز کی ملی بھگت نے "محلاتی سازشوں" کو جنم دیا اور ۹ ماہ کے اندر چار مرتبہ وزارتیں تبدیل ہوئیں۔ عوام انگریز کے غیر مشروط انخلاء کا مطالبہ کر رہے تھے۔ یہ مطالبہ روز بروز شدت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ برطانوی فوج غیر مشروط تو کیا مشروط طور پر بھی نکلنے کے لیے تیار نہ تھی۔ قصر عوام اور برطانوی فوج کے درمیان دیوار بنا ہُوا تھا۔ جو وزارت قائم ہوتی وہ عوامی مطالبے کے سامنے جھکتی تو قصر اُسے برطانوی ٹینکوں کے بل بوتے پر اُلٹ دیتا اور اگر قصر کی خواہش پوری کرتی تو عوامی مظاہرے اور اضطرابات اُس کے لیے پیغامِ اجل بن جاتے۔ اسی ادھیڑ بُن میں ۲۳ تا ۲۶ مئی ۵۲ء کو ملک کے اندر فوج نے انقلاب برپا کر دیا اور ملک کی تاریخ کا رُخ بدل دیا۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

معاہدۂ برطانیہ کی تنسیخ کا اعلان اکتوبر ۱۹۵۱ء تک مصطفیٰ نحاس پاشا کی حکومت قائم رہی۔ نحاس پاشا کے اس دورِ وزارت کا زرّیں کارنامہ یہ ہے کہ اس نے عوامی مطالبہ کی تائید میں پارلیمنٹ کے ذریعہ اُس معاہدے کی تنسیخ کا اعلان کر دیا جو ۱۹۳۶ء میں مصر اور برطانیہ کے درمیان طے پایا تھا جس کی بنا پر مصر برطانیہ کی فوجی چھاؤنی بنا ہُوا تھا، اور سویز پر برطانیہ اور فرانس نے مشترکہ اجارہ داری قائم کر رکھی تھی۔ نحاس پاشا نے پارلیمنٹ میں اعلان کیا: "۱۹۳۶ء میں خود مصر نے برطانیہ سے یہ معاہدہ کیا تھا اور آج مصر ہی اس کی تنسیخ کا اعلان کرتا ہے۔" اس اعلان نے عوام کے مُردہ دلوں میں زندگی کی لہر دوڑا دی۔ مگر قصر اور برطانوی فوج کے اندر سراسیمگی پھیل گئی۔

معرکۂ آزادی میں اخوان کا حصّہ نحاس پاشا نے برطانوی قیادت سے گفت و شنید کرنی چاہی تاکہ فوجوں کے انخلاء کی تاریخ مقرر کی جائے، مگر برطانوی قیادت طرح دے کر اسے ٹالتی رہی۔ عوام بے قابو ہو گئے اور "جنگ آزادی" کا افتتاح ہو گیا۔ نحاس حکومت بھی عوام کے ساتھ تھی۔ وطنِ عزیز کی آزادی کی خاطر مجاہدین اُٹھ کھڑے ہوتے، سویز کا علاقہ میدانِ جنگ بن گیا، اخوان المسلمون کے رضا کاروں نے اس جنگ میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا اور بہادری اور جاں نثاری کے حیرت انگیز کرشمے دکھائے۔ اخوان نے کالجوں کے اندر عسکری تربیت کے کیمپ کھول دیئے اور تمام پارٹیوں کے طلبہ بلا استثناء اخوان کے

زیر اہتمام عسکری تربیت لینے لگے۔ انگریزی فوج کے حواس باختہ ہو گئے یہاں تک کہ انگریزی فوج کی کمان فاید ریڈیو اسٹیشن سے مسلسل یہ اعلان نشر کرتی رہی کہ جو شخص شیخ محمد فرغلی کا سر قلم کر کے لائے گا اُسے ۵ ہزار پونڈ انعام دیا جائے گا۔ شیخ فرغلی اخوان کی مجلسِ شوریٰ کے رکن تھے۔ اس جنگ میں انہوں نے گوریلا دستوں کی مدد سے انگریزی فوجوں کے چھکے چھڑا دیئے۔ (جمال عبدالناصر نے ۵۴ء کے اواخر میں اخوان کے جن رہنماؤں کو پھانسی کی سزا دی اُن میں سے ایک شیخ محمد فرغلی بھی تھے)۔ وفد گورنمنٹ اخوان مجاہدین کی شجاعت، تدبیر، قربانی اور جذبۂ جہاد سے اس قدر متاثر ہوئی کہ اُس نے اخوان رہنماؤں کو بلا کر اس امر پر تبادلہ خیال کیا کہ جنگ کی کمان کلیتہً اخوان رضا کاروں کے سپرد کر دی جائے۔ مگر اس تجویز کے اگلے ہی روز قصر نے وفد گورنمنٹ کو توڑ دیا۔

وفد گورنمنٹ کے ساتھ اخوان کا یہ معاہدہ ہو چکا تھا کہ حکومت اخوان کی سیاسی سرگرمیوں پر قدغن عائد نہیں کرے گی۔ حالانکہ اس سے پہلے ہی حکومت کوشش کر چکی تھی کہ اخوان سیاسیات میں حصّہ نہ لیں اور وزیر داخلہ فواد سراج الدین (جو وفد کے جنرل سکرٹری بھی تھے)، پارلیمنٹ سے بھی ۵۰ دینی قانون پاس کروا چکے تھے۔ مگر اخوان نے یہ قانون تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اور بالآخر وفد گورنمنٹ کو خود ہی جھکنا پڑا۔

وفد گورنمنٹ کو ختم کرنے کا مقصد آزادی کی تحریک کو دبانا تھا۔ علی ماہر کو وزارت بنانے کی دعوت دی گئی۔ مگر یہ وزارت بھی چند روز کی مہمان رہی۔ علی ماہر کے بعد نجیب ہلالی لائے گئے۔ وہ بھی زیادہ عرصہ نہ ٹھیر سکے۔ ان دونوں نے سابقہ حکمرانوں کے برعکس نئی طرح ڈالی۔ یہ اخوان المسلمون اور دیگر سیاسی پارٹیوں کے سربراہوں سے ملتے اور اُن سے مشورہ کرتے۔ نجیب ہلالی کے دَورِ وزارت میں اخوان نے حالات کے عدمِ استقرار کی وجہ سے عارضی طور پر یہ اعلان کیا کہ وہ انتخابات میں حصّہ نہیں لیں گے۔ نجیب ہلالی کے بعد حسین سری اور پھر دوبارہ نجیب ہلالی آئے۔ ان سب وزارتوں کی حیثیت کٹھ پتلی سے زیادہ نہ تھی۔ بپھرے ہوئے عوام کو طفل تسلیوں میں مبتلا کرنا مقصود تھا۔

اخوان اور انقلاب مصر جولائی ۵۲ء میں مصر کی سرزمین نے ایک اور انقلاب دیکھا۔ شاہ مصر فاروق

سے قدرت نے انتقام لیا۔ اور آن کی آن میں اس کا فرعونی جاہ وحشم داستانِ پارینہ بن گیا۔ یہ انقلاب کیسے برپا ہوا اور اس کی کامیابی کے اسباب کیا ہیں اور اس کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی؟ ان سب سوالات کا جائزہ لیے بغیر بعد کے حالات کو سمجھنا ناممکن ہے۔ اس لیے مناسب یہ ہے کہ مختصراً ان سوالات پر روشنی ڈال دی جائے۔

انیسویں صدی کے اواخر میں انگریزی استعمار نے مصر کے اندر اپنا نفوذ پیدا کرنا شروع کیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے اُس نے خدیو مصر کو اپنی جھولی میں ڈال لیا۔ احمد عرابی پاشا اور مصطفیٰ کامل جیسے محبانِ وطن نے اس نفوذ کو روکنے کی کوشش کی۔ مگر یہ طوفان روز بروز تیز ہوتا گیا۔ حریت پسندوں نے یکے بعد دیگرے کئی تنظیمیں قائم کیں مگر کسی کی بن نہ آئی۔ ۱۸ دسمبر ۱۹۱۴ء کو باقاعدہ مصر پر "برطانوی تولیت" کا اعلان کر دیا گیا۔ مصری قوم اس تولیت کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی۔ ۲۸ فروری ۱۹۲۲ء کو برطانیہ اپنی "تولیت" کو ختم کرنے پر مجبور ہوا مگر اس کے ساتھ ہی "تحفظات" کی ایسی زنجیریں مصر کے پاؤں میں ڈال دی گئیں کہ بظاہر اگرچہ برطانیہ کی تولیت ختم ہو چکی تھی مگر "مصر کے دفاع"، "غیر ملکیوں کے تحفظ" اور اس جیسے دوسرے عنوانات کے پردے میں یہ دیوِ استبداد برابر رقص کناں رہا۔ ۱۹ اپریل ۱۹۲۳ء کو مصر میں پہلی مرتبہ دستور کا نفاذ ہوا اور مصر کو خود مختار ریاست کی حیثیت دی گئی اور اسلام کو اس کا مذہب قرار دیا گیا۔ مگر استعمار کو جو ملک کے اندر دخیل ہو رہا تھا مصر کی یہ روش کہاں پسند تھی۔ چنانچہ ۲۶ اگست ۱۹۳۶ء کو مصر اور برطانیہ کے مابین ایک معاہدہ وجود میں آیا جس کا نام تھا "دوستی اور رفاقت کا معاہدہ"۔ اس معاہدہ کی رُو سے مصر نے برطانیہ کو یہ "رخصت" دے دی کہ وہ "سویز کے آس پاس انگریزی فوجوں کی چھاؤنی قائم کر سکتا ہے جو سویز کے تحفظ کی ضامن ہوں گی"۔ اس طرح سے انگریز باقاعدہ جنگی قوت کے ساتھ مصر کے اندر اُتر آیا اور مصر کی بدقسمتی کا دن طلوع ہو گیا۔ اس کے بعد مصر میں دستوری حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور انگریز اور شاہ مصر اور ان کی کٹھ پتلی وزارتیں ملک پر مسلط ہو گئیں۔ سویز کے "تحفظ" کو انگریزی فوجوں نے ہاتھ میں لے کر گویا مصر کی اقتصادی شاہ رگ ہاتھ میں لے لی اور جوں جوں انگریز کا نفوذ بڑھتا گیا اور مصر کی بے بسی میں اضافہ ہوتا گیا، انگریز مصر کے پورے نظام پر غالب ہوتا گیا۔

نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ مصر کے اقتصادی نظام تعلیمی اور ثقافتی نظام اور داخلی اور خارجی سیاست کی رگوں میں انگریزی ڈپلومیسی کا خون جاری وساری ہو گیا۔ مدرسوں اور کالجوں کی اکثریت عیسائیوں کے ہاتھ میں تھی، معلّمین اور معلّمات عیسائی تھے، تجارت پر یورپی کمپنیوں کا قبضہ تھا اور مصری قوم ان کے مظالم کی چکی میں بُری طرح پس رہی تھی۔ شاہ فواد الاوّل کے دَور میں تو مصری عوام کو کچھ نہ کچھ بولنے کی آزادی تھی مگر فاروق کا دورِ اقتدار مصری عوام کے لیے دوہری غلامی کا دَور تھا۔ ایک انگریزوں کا تسلّط اور دوسرا فاروق کا استبداد۔

حسن البنّاء نے اخوان المسلمون کی تاسیس کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ مصر کی پژمردہ اور مایوس قوم کے اندر جہاد کا جذبہ پھونکا۔ جہاد کے موضوع پر اُن کا مشہور رسالہ اخوان کے ابتدائی دَور کی آواز ہے۔ اس رسالہ میں امام البنّا نے بڑی بلاغت اور جامعیت کے ساتھ مصری عوام کو اس نسخے کی طرف توجہ دلائی ہے جو مسلمان قوموں کی پستی اور انحطاط کا اصل علاج ہے۔ امام بنّا نے اس رسالے میں پہلے قرآن کی ان تمام آیات کو پیش کیا ہے جن میں جہاد کی فرضیت کا واضح حکم موجود ہے۔ اس کے بعد احادیثِ نبویہ سے بہ تفصیل استشہاد کیا ہے۔ ان کے رسالہ کا اہم باب وہ ہے جس میں انہوں نے جہاد کے بارے میں امّتِ اسلامی کے تمام فقہاء کے احکام بیان کیے ہیں۔ ابنِ قدامہ صاحب المغنی کی رائے بیان کی ہے کہ "جب کسی شہر کے اندر کفار اُتر آئیں تو اس کے باشندوں پر یہ فرض عین ہو جاتا ہے کہ وہ اُن سے قتال کریں اور شہر سے اُن کو نکالیں"۔ ازہر کے گوشوں میں بیٹھنے والے علماء کو جھنجوڑتے ہوئے کہا ہے کہ امام بدرالدین عینی شارح بخاری سے کون بڑا عالم ہو سکتا ہے۔ ان کا معمول تھا کہ ایک سال وہ جہاد کرتے، ایک سال تعلیم و تدریس میں مصروف رہتے اور ایک سال حج میں گزارتے"۔ آخر میں ان لوگوں کو بھی سرزنش کی ہے جو قتال کو جہادِ اصغر اور جہادِ نفس کو جہادِ اکبر قرار دے کر اصلاحِ نفس کی آڑ میں لوگوں کو پست حوصلہ کر رہے تھے۔ لکھتے ہیں: "بعض لوگ یہ کوشش کر رہے ہیں کہ عامۃ الناس کو قتال کی اہمیت اور جہاد کی تیاری سے ترک دیں۔ وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ حدیث میں وارد ہے کہ جہادِ اکبر یہ ہے کہ انسان اپنے نفس سے مجاہدہ کرے۔ یہ دلیل بے بنیاد ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب تسدید القوس میں لکھا ہے کہ یہ قول عام زبانوں پر جاری ہے مگر یہ رسول کا قول نہیں ہے بلکہ ابراہیم بن عبلہ راوی کا کلام ہے"۔

چنانچہ اخوان المسلمون نے اپنے بنیادی مقاصد میں سے یہ قرار دیا کہ "والموتُ فی سبیل اللہ اسمی امانینا" (اللہ کی راہ میں شہادت ہماری بلند ترین تمنا ہے)۔ یہ صرف ان کا زبانی نعرہ نہیں تھا بلکہ عملاً بھی انہوں نے اپنے ارکان کو جہاد کی تربیت دینا شروع کر دی۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نوجوان فضول کاموں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے فوجی تربیت حاصل کرتے اور جہاد کی رُوح قوم کے اندر پھونکتے۔ اس جذبۂ جہاد کا صحیح مظاہرہ اس وقت ہوا جب ۴۸ء میں یہودیوں کے خلاف عرب عوام نے جنگ برپا کر دی۔ انور السادات نے (جو جمال عبدالناصر کے دست راست اور موجودہ نائب صدر جمہوریہ ہیں) اپنی ڈائری "صفحات مجہولہ" ص ۷۷ پر لکھا ہے:

"ان دنوں (یعنی ۴۸ء کی جنگِ فلسطین میں) جہاد و قتال کے لیے سب جماعتوں سے بڑھ کر جو جماعت بے تابی کا اظہار کر رہی تھی وہ الاخوان المسلمون تھی . . . جس شام فلسطین کو روانگی تھی، حسن البنا اور شیخ فرغلی آئے، اور مجاہدین کے دستوں سے خطاب کیا اور ان میں بڑا جوش و خروش پیدا کر دیا۔"

رُوحِ جہاد پھونکنے کے ساتھ اخوان المسلمون نے دوسرا بڑا کام یہ کیا کہ ملک کے اندر اسلامی حکومت کے قیام کا مطالبہ اٹھا دیا۔ ۱۹۳۸ء میں حسن البنا نے وزیر قانون احمد خشبہ پاشا کو طویل مکتوب لکھا جس میں مطالبہ کیا کہ "پچاس سال سے غیر اسلامی قوانین آزمائے جا رہے ہیں اور وہ سخت ناکام ثابت ہوئے ہیں۔ اب اسلامی شریعت کا تجربہ کیا جانا چاہیے۔" اس مکتوب میں امام حسن البنا نے پہلے اسلامی قانون کی اہمیت کتاب اللہ کی رُو سے بیان کی ہے۔ اور پھر بتایا ہے کہ اگر اپنے ملک (مصر) کے دستور اور قانون پر نگاہ ڈالیں تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ ان کا ماخذ اور سرچشمہ کتاب و سنت نہیں بلکہ یورپ کے ممالک: بلجیم، فرانس، اٹلی وغیرہ کے دساتیر و قوانین ہیں۔ ہمارا دستور کلیات کے اعتبار سے بھی اور جزئیات کے لحاظ سے بھی اسلام سے صریح طور پر متصادم ہے۔ اب غور کیجیے کہ اگر ایک مسلمان کے سامنے ایسا معاملہ آتا ہے جس کا فیصلہ اسلام کی رُو سے کچھ ہے، اور موجودہ قانون کی رُو سے کچھ اور، تو اس وقت وہ مسلمان کونسا موقف اختیار کریگا

پھر غور کیجیے کہ اس ملک کے مجسٹریٹ، جج، چیف جسٹس اور وزیرِ قانون کے لیے احکم الحاکمین کے احکام کی مخالفت کیسے جائز اور حلال ہو گی؟"

اس زبردست تنقید کے بعد امام حسن البنّاؒ نے اُن لوگوں کے اعتراضات کا جواب دیا ہے جو عصرِ حاضر میں اسلامی قانون کے نفاذ کو ناممکن خیال کرتے ہیں۔ اور آخر میں اس مطالبے پر مکتوب کو ختم کیا ہے کہ:

"الاخوان المسلمون کا مطالبہ یہ ہے کہ ہماری حکومت شریعت اسلامیہ کی طرف لوٹے۔ اور مصری قانون کے نظام کو فوراً شریعت کی بنیادوں پر اُستوار کرے۔ ہم ایک مسلم قوم ہیں، ہم نے عزم کرلیا ہے کہ ہم صرف اللہ کے قانون اور قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی حکمرانی اور بالادستی تسلیم کریں گے، خواہ ہمیں اس کی بھاری سے بھاری قیمت ادا کرنی پڑے اور بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنی پڑے۔ ایک آزاد اور خود مختار مسلمان قوم ہونے کی حیثیت سے یہ ہمارا فطری حق ہے اور سیاسی و اجتماعی شوکت و استقلال کا کوئی دوسرا مظہر اس کا بدل اور قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ آپ بھی اس حق کے حصول میں ہماری مدد کیجیے۔ اس صورتِ حال کو بدلنے کی کوشش کیجیے اور قوم کو مجبور نہ کیجیے کہ وہ کسی ایسے راستے پر پڑ جائے جس پر مایوسی اور اضطرار کی حالت میں عموماً قومیں پڑ جایا کرتی ہیں۔"

ایک طرف الاخوان کا یہ مطالبہ تھا، اور دوسری طرف مصر میں بادشاہت کا کوس لمن الملک بج رہا تھا۔ خدیو توفیق پاشا نے عرابی پاشا کو کہا تھا کہ: "یہ ملک مجھے اپنے باپ دادا سے ورثے میں ملا ہے۔" یہی تصور توفیق پاشا کے جانشینوں کے دماغ میں رچا بسا ہوا تھا۔ تاہم فواد الاوّل (متوفی ۱۹۳۶ء) کا عہد بسا غنیمت تھا مگر فاروق کا عہد سیاسی ابتری اور انگریزوں کی دراندازی کی وجہ سے تاریک ترین عہد تھا۔ اس دَور میں حسن البنّا وہ واحد شخصیت تھے جو دربارِ شاہی سے کنارہ کش رہی۔ ورنہ یہ وہ حمام تھا جس میں نحاس پاشا جیسے حُر، طٰہٰ حسین جیسے آزاد خیال، احمد حسن زیات

جیسے صاحب طرز ادیب، اور محمد حامد فقی مرحوم جیسے سنت کے علمبردار سب شامل نظر آتے ہیں۔ خود فاروق بھی حسن البنا سے سخت نفرت کرتا تھا۔ شروع شروع میں تو وہ اخوان کی تحریک کو خاطر میں نہیں لاتا تھا مگر جوں جوں اسلامی شریعت کے نفاذ کا مطالبہ زور پکڑتا گیا اُس کی آنکھیں کھلتی گئیں۔ انور السادات نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ ۱۹۴۴ء میں اُس نے (یعنی انور السادات نے) حسن البنا سے ملاقات کی۔ اُس وقت حسن البنا شاہ فاروق کی طرف سے کچھ متفکر سے تھے۔ کہنے لگے:

"شاہ الاخوان کی دعوت سے شدید خطرہ محسوس کر رہا ہے۔ اُس کے کانوں تک یہ بات پہنچ چکی ہے کہ الاخوان کی دعوت کی بنیاد یہ ہے کہ حکمران عوام کی مرضی اور بیعت سے مقرر ہونا چاہیے۔ موروثی بادشاہت کا اسلام میں کوئی تصور نہیں ہے۔ ۔ ۔ ۔ چنانچہ شاہ سوچ رہا ہے کہ کس طرح الاخوان پر ہاتھ ڈالا جائے۔" (صفحات مجہولہ ص ۹۹)

الاخوان اور فاروق کی کشمکش اس حد تک بڑھی کہ بالآخر فاروق اور عبدالہادی پاشا نے مل کر امام حسن البنا کو شہید کروا دیا۔ اور بعد کی عدالتی تحقیقات سے یہ ثابت ہو گیا کہ قاتلین میں فاروق کا خادمِ خاص بھی شامل تھا۔ بہر حال اخوان کی تحریک نے مصری عوام کے دلوں میں اچھی طرح یہ حقیقت اُتار دی تھی کہ جب تک ملک کے اندر سے بادشاہت کی بساط نہیں لپٹ جاتی یہاں کوئی اصلاح کارگر نہیں ہو سکتی۔ اور پھر بادشاہت کا خاتمہ اصل مقصود نہیں۔ بلکہ اسلامی حکومت کا قیام اصل چیز ہے۔ فاروق کے استبداد، اُس کی اخلاقی انارکی، انگریزوں سے اُس کے گٹھ جوڑ اور فلاحین پر اُس کے کارندوں کے بے پناہ مظالم اخوان کی دعوت میں جادو کا اثر ڈال رہے تھے۔ اور ایک وقت وہ آگیا کہ مصر کا بچہ بچہ فاروق سے بیزار ہو گیا۔

فاروق کے عہد میں جو وزارتیں قائم ہوتی رہیں وہ دو حالات سے خالی نہ ہوتی تھیں۔ یا تو وہ فاروق کی مرضی سے قائم ہوتی تھیں اور ان کی حیثیت کٹھ پتلی سے زیادہ نہ ہوتی تھی، اور یا اُن کی پشت پر انگریزی فوج ہوتی تھی۔ چنانچہ فروری ۱۹۴۲ء میں وفد پارٹی کی حکومت برطانوی ٹینکوں کی بدولت قائم ہوئی تھی (ملاحظہ ہو کتاب: فاروق بین القمۃ والحضیض ص ۳۷)۔ چنانچہ الاخوان نے ان تمام حکومتوں

سے اپنی بیزاری اور عدم تائید کا اعلان کر دیا تھا اور عوام الناس کے سامنے ان کی اصل حقیقت کو منکشف کر دیا تھا۔

اس کہانی کا چوتھا کردار مصری فوج ہے مصری فوج بلاشبہ اُس وقت عرب ممالک کی افواج میں سب سے مضبوط اور تربیت یافتہ فوج سمجھی جاتی تھی۔ مگر انگریزی فوج کے وجود نے اُسے بے بس کر رکھا تھا۔ مصری فوج کے افسروں کی اکثریت شاہ پرستی کی بیماری میں مبتلا تھی۔ اور صرف محدود عنصر ایسا تھا جو حالات کی سنگینی اور ابتری پر خون کے آنسو بہاتا رہتا تھا۔ لیکن ملک کے اندر اصلاحی کام کرنے کے لیے ضروری تھا کہ جس عنصر کے ہاتھ میں ملک کی اصل طاقت ہے خود اُس کے ذہن و فکر کی دنیا میں تبدیلی ہو۔ مصر کا موجودہ نائب صدر انور السادات اُن پہلے فوجی افسروں میں سے ہے جو حسن البنّا کی دعوت سے واقف ہوئے۔ چنانچہ انور السادات اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ حسن البنّا سے متعدد فوجی افسر آکر ملتے حسن البنّا کا مقصد صرف یہ تھا کہ کسی طرح مصری فوج کے افسروں میں دینداری پیدا ہو"۔ (صفحات مجہولہ ص ۲۴۹) حسن البنّا کی موہوب شخصیت اور اُن کی ربانی دعوت کی یہ معجزانہ تاثیر تھی کہ مصری جیش کے اندر اُسے بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ انور السادات لکھتا ہے کہ "اہلِ وطن انگریزی نفوذ سے ہر قیمت پر جان چھڑانا چاہتے تھے۔ اسی جذبے کے تحت مصری فوج کے حریت پسند افسروں کے گروپ اور حسن البنّا کے درمیان ربط ضبط پیدا ہوا"۔ (ایضاً ص ۲۴۹) اور یہ ربط یہاں تک بڑھا کہ مصری فوج کا ایک گروہ اخوان کو مصر کی نجات کی واحد امید سمجھتا تھا"۔ (ایضاً ص ۱۵۶)

اس طرح سے اخوان نے ہر محاذ پر انگریزوں کے تسلط اور بادشاہت کے استبداد سے مصری قوم کو نجات دلانے کے لیے زمین ہموار کی۔ اور بالآخر جولائی ۵۲ء کو وہ انقلاب برپا ہوا جس کے بعد مصر سے بادشاہت کا خاتمہ کر دیا گیا۔ اس انقلاب کی کامیابی صرف فوج کے سر نہیں ہے۔ مصری فوج کے اندر اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ کوئی ایسا اقدام کرتی جس میں اُس کا تین سخت جان حریفوں سے پالا پڑنے والا تھا۔ ایک انگریزی فوج، دوسرے فاروق اور تیسرے مصر کے طالع آزما سیاست دانوں کی حکومت۔ بے شک انقلاب کی پہلی توپ فوج نے چلائی لیکن انگریزی تسلط اور فاروق کے خلاف اخوان مصری قوم

کے اندر بیزاری کے بیج اس قدر بو چکے تھے کہ انقلاب کی توپ سنتے ہی پوری قوم نے اس پر خیر مقدم کے پھول نچھاور کیے۔ بقول جنرل نجیب :

" انقلاب کے بعد عرصہ دراز تک الاخوان اور انقلابی کونسل میں خاصا تعاون رہا۔ امام حسن البنا کے قاتل گرفتار کیے گئے۔ اخوان کے سیاسی قیدیوں کو رہا گیا۔ اخوان بھی انقلابیوں کی تائید میں کم نہیں تھے ——— بلکہ ایک گروہ ان کی تائید میں اتنا آگے تھا کہ اخوان کے بہت سے خیر اندیشوں کو یہ روش بُری طرح کھٹکی۔ اور یہی وجہ ہے کہ حسن الہضیبی اور دوسرے بیزر و نوجوانوں کے درمیان اس مسئلے پر کچھ اختلاف بھی ہوا۔

اخوان اور انقلابی کونسل میں اختلافات آخر کار اخوان اور انقلابی حکومت کے درمیان اختلافات نے سر اٹھا لیا جو کم ہونے کے بجائے بڑھتے گئے اور نوبت تاریخ کی زبردست ٹریجڈی تک پہنچ گئی۔ ان اختلافات کی ترتیب اور خلاصہ یہ ہے :

۱۔ اختلاف کا پہلا موقع انقلابی وزارت کی تشکیل کے وقت پیش آیا۔ ۹ ستمبر ۱۹۵۲ء کو انقلابی کونسل نے علی ماہر کو (جو انقلاب کے بعد وزیر اعظم بنائے گئے تھے) برطرف کر دیا اور محمد نجیب نے وزارت کی تشکیل کی۔ انقلابی کونسل نے اخوان کو تین وزیروں کے اشتراک کی پیش کش کی۔ مکتب الارشاد (اخوان کی مجلس شوریٰ) نے اس پیش کش کو قبول نہ کیا۔ حسن الہضیبی جماعت کو ایسی حکومت میں شامل کرنے کے لیے تیار نہ تھے جس میں اصل اختیارات حکومت کو نہیں بلکہ انقلابی قیادت کو حاصل ہوں۔ حسن الہضیبی نے کہا کہ "ہم حکومت کے بے لوث خیر خواہ ہیں، اربابِ اقتدار اچھا کام کریں گے تو ہماری تائید ہو گی ——— اور ان سے غلطیاں ہوں گی تو ہم اس پر ٹوکیں گے"۔ مکتب الارشاد کے ایک رکن احمد حسن باقوری نے جماعت کے فیصلے کے خلاف وزارت قبول کر لی اور انہیں جماعت سے مستعفی ہونا پڑا۔

۲۔ اخوان نے اسلامی نظام کے احیاء کا مطالبہ دہرانا شروع کر دیا۔ المسلمون (اگست ۱۹۵۲ء) نے "انقلاب" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ "جہاں تک قوم کو استعمار اور استعباد سے نجات دلانے کا تعلق ہے وہ انقلاب نے پورا کر دیا ہے۔ لیکن اصل کام ایک ایسی نسل کی تیاری ہے جو عقل و فکر کے لحاظ سے،

جذبات و احساسات کے لحاظ سے اور اخلاق و اعمال کے لحاظ سے پوری مسلمان ہو جس پر احکام اسلامی کی تنفیذ کے لیے بھروسہ کیا جا سکے۔ یہ کام صرف وہ لوگ کر سکتے ہیں جو اسلام کا صحیح فہم رکھتے ہیں، اور حق و باطل کے معرکے میں جن کے قدم کسی حال میں بھی نہیں ڈگمگا سکتے۔" اخوان نے انقلابی کونسل سے مطالبہ کیا کہ ملک کے اندر شراب نوشی اور قمار بازی کو ممنوع قرار دیا جائے۔ لیکن کونسل نے صرف چند جزوی پابندیاں تجویز کیں جن سے اخوان راضی نہ ہوئے (محمد نجیب: "مصر کا انجام" ص ۱۵۶)

۳- ۱۰ دسمبر کو مصر کا دستور منسوخ قرار دے دیا گیا اور نئے دستور کے لیے سو ممبروں کی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔ حسن الہضیبی نے مروجہ رجحانات دیکھ کر مطالبہ کیا کہ اس امر پر استصواب عام کرایا جائے کہ آیا مصر کو اسلامی شریعت چاہیے یا مغربی قانون"۔ یہ مطالبہ انقلابی کونسل کو ناگوار گزرا۔

۴- ۱۶ جنوری ۵۳ء کو انقلابی کونسل نے ایک قانون کے ذریعہ تمام سیاسی پارٹیوں کو ختم کر دیا۔ اس موقع پر حسن الہضیبی کی تجربہ کاری اور دُور بینی کام آئی۔ پُرجوش اخوانی فوج کے ساتھ اپنی قسمت وابستہ کرنا چاہتے تھے۔ مگر حسن الہضیبی نے اپنا تشخص الگ قائم رکھنا ضروری سمجھا خواہ اس کے نتیجے میں چھوٹی موٹی سیاسی دلچسپیوں سے کنارہ کش ہونا پڑے۔ چنانچہ انہوں نے انقلابی کونسل کو ایک یادداشت بھیجی جس میں الاخوان کو مروجہ سیاسی پارٹیوں کی صف میں شمار کرنے پر اعتراض کیا اور بتایا کہ "الاخوان ایک ہمہ گیر دینی جماعت ہے، سیاست اس کے کام کا صرف ایک جز ہے۔ اخوان حکومت کے طالب نہیں ہیں۔ اور نہ وہ پارلیمنٹ کے انتخاب میں حصہ لیں گے"۔ اس طرح مُرشد نے جماعت کو سخت حادثے سے بچا لیا۔

۵- ۲۳ جنوری ۱۹۵۳ء کو سرکاری پارٹی "ہیئۃ التحریر" کے قیام کا اعلان کیا گیا اور اخوان اور دوسری سیاسی پارٹیوں کے کارکنوں کو اس میں مدغم ہونے کی دعوت دی گئی۔ اخوان نے ادغام سے انکار کر دیا۔ حسن الہضیبیؒ نے جمال عبدالناصر سے مل کر ان پر واضح کیا کہ "انقلاب تمام قوم کی آرزوؤں کا آئینہ دار ہے اس لیے اس کو کسی خاص پارٹی سے منسوب نہ کرنا چاہیے۔ اس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ طالع آزما اور ابن الوقت لوگ اس نئی تنظیم میں داخل ہو کر اسے ذاتی اغراض کے لیے استعمال کریں گے۔ اور حکومت اور انقلاب کو بدنام کر دیں گے"۔

۶- ۲۲ فروری ۵۳ء سے برطانیہ کے ساتھ مذاکرات کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا۔ اخوان مذاکرات کو

سابقہ تجربات کی روشنی میں ضیاعِ وقت سمجھتے تھے۔ اور مزید برآں کسی ایسی شرط کو قبول کرنے کے لیے بھی تیار نہ تھے جو انگریز کو کسی بھی بہانے سے دوبارہ مصر کے اندر قدم رکھنے کا موقع دیتی ہو۔

۷۔ شرائطِ معاہدہ کے بارے میں مذاکرات ہو رہے تھے کہ مسٹر ایونز انگریزی سفارت خانہ کے عہدیدار نے مرشدِ عام (حسن الہضیبی) سے ملاقاتیں کیں تاکہ شرائطِ معاہدہ کے بارے میں اُسے اخوان کی رائے معلوم ہو اس کا مسٹر ایونز اور اخوان دونوں کو اقرار ہے۔ مرشد نے ان ملاقاتوں میں حکومت کے موقف کی پوری تائید کی اور فوراً ہی میجر صلاح سالم (وزیر الارشاد القومی) کو بلا کر گفتگو کی تفصیلات سُنا دیں۔ مگر اس کے باوجود انقلابی کونسل کی طرف سے اخوان پر انگریزوں سے سازباز کا الزام تھوپ دیا گیا۔

یہ تھے اخوان اور انقلابی کونسل کے درمیان اختلافات کے اصل اسباب۔ مگر ۱۲ جنوری ۱۹۵۴ء کو ایک ایسا واقعہ پیش آگیا جس کو بہانہ بنا کر اخوان کو خلافِ قانون قرار دے دیا گیا۔ اس تاریخ کو اخوانی طلبہ یونیورسٹی کے میدان میں یومِ شہداء منا رہے تھے کہ اچانک ہیئۃ التحریر کی ایک جیپ آئی، جس میں کئی مسلح آدمی سوار تھے۔ پہلے انہوں نے "اللہ اکبر اور العزۃ لمصر" کے نعرے لگائے اور جب انہیں روکا گیا تو انہوں نے ریوالوروں سے فائرنگ شروع کر دی۔ اخوان کے طلبہ نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ اس واقعہ کو بہانہ بنا کر انقلابی حکومت نے اخوان کو خلافِ قانون قرار دے دیا اور ان کے متعدد رہنماؤں کو گرفتار کر لیا۔ اُدھر جنرل محمد نجیب کو بھی انقلابی قیادت نے برطرف کر دیا جس کی وجہ سے ملک کے اندر زبردست ہنگامے کھڑے ہو گئے۔ فوج میں بھی افراتفری برپا ہو گئی۔ انقلابی قیادت محمد نجیب کو واپس لانے پر مجبور ہوئی، بلکہ اخوان اور دوسری سیاسی پارٹیوں کی بحالی کا اعلان بھی کر دیا گیا۔ اس اعلان کے تین روز بعد ہیئۃ التحریر نے جوابی ہنگامے برپا کر دیئے اور ملک کی فضا اس قدر مکدر ہو گئی کہ نجیب کو روپوش ہونا پڑا۔ اخوان کے سوا تمام سیاسی پارٹیوں کو توڑ دیا گیا اور خود جمال عبدالناصر وزارتِ عظمٰی کی گدی پر بیٹھ گئے۔

یکم ستمبر ۵۴ء کو برطانیہ سے معاہدۂ انخلاء پر دستخط ہوئے۔ اخوان نے اس معاہدہ کو مسترد کر دیا۔ اور اخوان اور انقلابی رہنماؤں کے درمیان تندوتیز بحث شروع ہو گئی۔ ۲۶ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو جمال عبدالناصر پر قاتلانہ حملہ ہوا جس کا الزام اخوان پر لگایا گیا اور اس طویل داستان کا آخری باب یوں ختم ہوا کہ اخوان کے چھ رہنماؤں کو موت کی سزا دی گئی، ہزارہا افراد کو جیلوں میں ڈال دیا گیا اور انہیں سخت تعذیب و اذیت کا نشانہ بنایا گیا۔ (باقی)